13

جماعت کے کمزور حصے کو مضبوط بنانے اور اس کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو

(فرمودہ 18 جون 1954ء بمقام کراچی)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''انسانوں پر زندگی کے کئی دَور آتے ہیں۔کبھی انسان دودھ پیتا بچہ ہوتا ہے، کبھی چوسنیاں چوسنے والا بچہ ہوتا ہے، کبھی کھیلنے کُودنے اور پیار کرنے والا بچہ ہوتا ہے، کبھی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والا بچہ ہوتا ہے، کبھی نیم بلوغت کے زمانہ میں وہ اچھی تعلیم حاصل کر رہا ہوتا ہے، کبھی بالغ ہو کر وہ اپنے مستقبل کے متعلق سوچ رہا ہوتا ہے، کبھی اپنی بھرپور جوانی میں وہ شادی بیاہ کرتا ہے اور اس کے بچے پیدا ہوتے ہیں، کبھی جوانی کی عمر کا ایک حصہ گزار کر وہ ادھیڑ عمر میں جا پہنچتا ہے، کبھی اُس پر بڑھاپا آتا ہے اور پھر کبھی اُس پر ایسا بڑھاپا آتا ہے کہ چلنا پھرنا بھی اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ افراد کے جو مختلف دَور ہیں، یہی دَور قوموں پر بھی آیا کرتے ہیں۔کبھی قوموں کی حالت بچوں کی سی ہوتی ہے، کبھی ان کی حالت بڑی عمر والوں کی سی ہوتی ہے، کبھی ان سے بھی بڑی عمر والوں کی سی حالت ہوتی ہے اور کبھی ان پر جوانی کی عمر آتی ہے۔ لیکن جو قومیں خداتعالیٰ کی طرف سے قائم کی جاتی ہیں اُن پر

جوانی کا زمانہ نسبتاً جلدی آ جاتا ہے اور جو قومیں خداتعالیٰ کے منشا کے ماتحت چلنے والی ہوتی ہیں اُن پر جوانی کا زمانہ زیادہ دیر تک رہتا ہے۔ پھر اس کے بعد آج تک کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ ہر قوم پر بڑھاپا آ جاتا ہے اور وہ اپنے فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کرنے لگ جاتی ہے۔

ہماری جماعت ابھی اپنی جوانی کے دَور کے قریب زمانہ میں ہے۔ ہم اپنے آپ کو نابالغ نہیں کہہ سکتے، ہم اپنے آپ کو قریب بلوغت کے زمانہ میں بھی نہیں کہہ سکتے اور ہم اپنے زمانہ کو کامل بلوغت کا زمانہ بھی نہیں کہہ سکتے۔ قریب بلوغت اور کامل بلوغت کے درمیان جو زمانہ ہوتا ہے وہی ہم پر گزر رہا ہے اور اِسی کے مطابق ہماری جماعت کو اپنی ذمہ داریاں سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ وہ عمر ہے کہ اس میں انسان نہ اپنے آپ کو نادان کہہ سکتا ہے اور نہ پورے طور پر اسے تمام کاموں کا ذمہ دار قرار دیا جا سکتا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ یہ عمر ایسی ہی ہے جیسے اکیس بائیس سال کے نوجوان کی عمر ہوتی ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس عمر میں بھی ہماری جماعت میں اپنی ذمہ داریوں کے سمجھنے کا ابھی وہ احساس نہیں ہے جو اس کے اندر ہونا چاہیے تھا۔ مثلاً پہلی چیز تو یہی ہوا کرتی ہے کہ انسان تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس عمر تک اپنی تعلیم سے قریباً فارغ ہو جاتا ہے۔ لیکن ہماری جماعت میں دینی تعلیم اور دینی تربیت کے لحاظ سے ابھی بہت بڑی کمی پائی جاتی ہے۔ اکثر حصہ جماعت کا وہ ہے جو قرآن شریف کو نہیں سمجھتا۔ اور اس اکثر میں سے بھی ایک کثیر حصہ ایسا ہے جو ان ذرائع کو بھی جو قرآن کریم کے سمجھنے کے ان کو میسر ہیں صحیح طور پر استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرتا۔ مثلاً ہمارا ملک اردو بولتا ہے یا مختلف صوبوں میں گنوار طرز کے جو لوگ ہیں یا غیر تعلیم یافتہ لوگ ہیں یا صرف صوبجاتی زبان جاننے والے ہیں ان میں سے کوئی سندھی بولتا ہے، کوئی بلوچی بولتا ہے، کوئی پشتو بولتا ہے، کوئی بنگالی بولتا ہے۔ عربی زبان ہمارے ملک میں بطور زبان کے نہیں بولی جاتی۔ بلکہ ہمارے ملک کے لوگوں کو اتنا بُعد عربی زبان سے ہے کہ علماء بھی عربی نہیں بولتے۔ اور اگر کبھی انہیں عربی بولنی پڑے تو وہ اتنا ہچکچاتے ہیں کہ دو فقرے بھی وہ اپنی زبان سے نکالیں گے تو کانپتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے اور لرزتے ہوئے۔ جہاں تک ان کے علم کا سوال ہے اگر اُس کو دیکھا جائے تو وہ عرب اور مصر کے علماء سے کم نہیں ہوتے، دینی کتب کا انہیں

خوب مطالعہ ہوتا ہے لیکن جب عربی بولنے کا سوال آئے تو عرب کا ایک معمولی کمہار یا دھوبی بھی صحیح عربی بولے گا اور وہ دو فقرے بھی نہیں بول سکیں گے۔ یہ نقص صرف اس وجہ سے ہے کہ انہیں عربی بولنے کی مشق نہیں۔ پس ایسے ملک کے لوگوں سے یہ امید کرنا کہ وہ عربی میں قرآن کو سمجھ سکیں گے بہت بعید بات ہے۔ بیشک ہماری کوشش تو یہی ہونی چاہیے مگر اس امید کے برآنے کے لیے ایک لمبا زمانہ چاہیے۔ اور جب اس کے لیے ایک لمبے زمانہ کی ضرورت ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا ان کی روح اتنے عرصہ کے لیے امید وبیم1 میں رکھی جا سکتی ہے؟ فرض کرو تمہارے پاس کھانا نہیں لیکن تم نے اپنے کھیت میں گیہوں بویا ہوا ہے اور چھوٹی چھوٹی روئیدگی بھی اُس کی نکلی ہوئی ہے تو آیا تمہاری بھوک کے وقت تمہارے لیے یہ تصور کافی ہوگا کہ جب یہ روئیدگی بڑھے گی، دانے پکیں گے تو پھر ہم گندم کاٹ کر اپنے گھر میں لائیں گے اور آٹا پسوا کر روٹی پکائیں گے؟ اگر تم اس وقت کا انتظار کرو گے تو تم مر و گے۔ تمہیں بہرحال اپنی غذا کا کوئی نہ کوئی قائم مقام سوچنا پڑے گا۔ جیسے جو لوگ چاول کھانے کے عادی ہوں انہیں اگر چاول نہ ملیں تو چاہے انہیں نفرت ہو، بدہضمی ہو، وہ گندم کھائیں گے۔ یا گندم کھانے والے کو اگر کسی وقت گندم میسر نہیں آتی تو یہ نہیں ہوتا کہ وہ فاقہ کرنے لگ جائے بلکہ وہ چاول پکا کر کھا لیتا ہے۔ چاول نہیں ملتے تو مکی کھا لیتا ہے۔ مکی نہ ملے تو باجرہ کھا لیتا ہے۔ اگر باجرہ نہیں ملتا تو بعض دفعہ وہ مُڈھل2 کھا لیتا ہے (یہ ایک جنگلی دانہ ہے جسے پنجابی میں مُڈھل کہتے ہیں۔ اردو نام مجھے معلوم نہیں جس کو عام حالات میں انسان نہیں کھایا کرتا)۔ بہرحال ایسے حالات میں انسان کو اپنی غذا کا قائم مقام سوچنا پڑتا ہے۔

میں مانتا ہوں کہ ہماری جماعت میں سارے کے سارے عربی نہیں پڑھ سکتے۔ بلکہ اگر پڑھ بھی لیں تو ہماری جماعت میں ہر سال اتنے نئے آدمی داخل ہوتے رہتے ہیں کہ ہم ایسے تعلیمی معیار کو قائم رکھ ہی نہیں سکتے۔ قادیان میں عورتوں اور لڑکیوں کی تعلیم ہم نے کئی دفعہ سو فیصدی تک پہنچا دی تھی مگر دو چار سال کے بعد جب ہم پھر مردم شماری کرتے تو اسّی نوّے فیصدی پر اُن کی تعلیم آ جاتی۔ اِس کی وجہ یہی تھی کہ وہاں ہجرت جاری تھی اور نئی نئی عورتیں باہر سے قادیان میں آتی رہتی تھیں۔ اس لیے پہلا معیار گر جاتا تھا۔ یہی حال جماعت کا ہے۔

جماعت میں بھی ایک روحانی ہجرت جاری ہے اور ہر سال کچھ شیعوں میں سے، کچھ سنیوں میں سے، کچھ وہابیوں میں سے، کچھ شافعیوں میں سے، کچھ دوسرے فرقوں میں سے نکل نکل کر لوگ ہمارے اندر شامل ہوتے رہتے ہیں اور وہ قرآن سے واقف نہیں ہوتے۔ پس اگر ہم سارے لوگوں کو قرآن پڑھا لیتے ہیں تب بھی کچھ عرصہ کے بعد ایک حصہ ایسے لوگوں کا ضرور نکل آئے گا جو قرآن سے ناواقف ہو گا اور پھر ہمارا فرض ہو گا کہ ہم اُن کو قرآن سے واقف کریں۔ بیشک ہمیں ایسے ذرائع میسر نہیں کہ ہم ہر احمدی کو عربی پڑھا سکیں لیکن قرآن ایک ایسی چیز ہے جس کا تھوڑا بہت علم ہر شخص کو ہونا چاہیے کیونکہ قرآن ہماری روحانی غذا ہے۔ جس طرح روٹی کھائے بغیر انسانی جسم زندہ نہیں رہ سکتا اِسی طرح قرآن کریم کے بغیر ہماری روح کبھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ جسم کی موت کے بعد انسانی اعضاء سڑنے گلنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن اگر کسی انسان کی روح مر جاتی ہے تو اُس کا جسم سڑتا گلتا نہیں۔ تم اسے چلتے پھرتے ہوئے دیکھتے ہو تو سمجھتے ہو کہ اُس کی روح بھی زندہ ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہوتا ہے۔ تم اگر ایک دن یا دو دن یا چار دن یا سات دن غذا نہیں کھاتے تو تم سمجھ لیتے ہو کہ اب تم موت کے قریب پہنچ گئے ہو۔ اور جب کوئی مر جاتا ہے تو تمہیں اُس کی موت میں کوئی شبہ نہیں رہتا کیونکہ اُس کی موت کی علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جب وہ سانس نہیں لیتا، جب وہ حرکت نہیں کرتا، جب وہ دیکھتا نہیں، جب وہ سنتا نہیں، جب وہ بولتا نہیں تو تم سمجھ لیتے ہو کہ وہ مر گیا ہے۔ لیکن روحانی موت کی علامتوں کا بسا اوقات تم مطالعہ نہیں کرتے اور یا پھر اپنے آپ کو تم فریب دینا چاہتے ہو کہ اس کے مُردہ ہونے کے باوجود تم اس کو زندہ سمجھتے ہو۔ ایک آدمی روحانی لحاظ سے دس سال سے مرا ہوا ہوتا ہے لیکن تم اُس کے ساتھ بے تکلفانہ زندگی بسر کر رہے ہوتے ہو اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے ہو کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، بڑے نیک اور بزرگ ہیں۔ صرف اِتنی بات ہے کہ نماز میں سُست ہیں۔ یا فلاں بہت ہی نیک آدمی ہے، بڑا مخلص احمدی ہے لیکن چندہ میں سُست ہے۔ یا فلاں بڑا بزرگ ہے، سلسلہ کے ساتھ بڑا اخلاص رکھتا ہے لیکن ذرا جھوٹ بولنے کا عادی ہے۔ گویا ایک طرف تو تم یہ کہتے ہو کہ وہ روحانی لحاظ سے مر چکا ہے، اُس کے اندر زندگی کے کوئی آثار نہیں۔ وہ بے نماز بھی ہے، وہ جھوٹا بھی ہے،

وہ چندہ دینے میں بھی سُست ہے اور دوسری طرف تم یہ بھی کہتے جاتے ہو کہ وہ بڑا مخلص ہے، بڑا نیک اور بڑا بزرگ ہے۔

یہ تو ایسی ہی بات ہے جیسے جرمنی کے ایک بادشاہ کا گھوڑا بیمار ہو گیا۔ وہ گھوڑا بڑا قیمتی تھا۔ اس نے ڈاکٹروں کا بلایا اور کہا کہ اس کا علاج کرو اور ایک ایک گھنٹہ کے بعد اس کی حالت سے مجھے اطلاع دو۔ اگر ایک ایک گھنٹہ کے بعد مجھے اطلاع نہ ملی تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ اور جس شخص نے آ کر مجھے یہ اطلاع دی کہ گھوڑا مر گیا ہے میں اُسے قتل کر دوں گا۔ ڈاکٹروں نے بڑی کوشش کی کہ وہ کسی طرح اچھا ہو جائے مگر وہ اچھا نہ ہوا اور مر گیا۔ اب بادشاہ کو اطلاع پہنچانا بھی ضروری تھا اور دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ جس نے یہ اطلاع پہنچائی اسے قتل کر دیا جائے گا۔ آخر سوچ کر انہوں نے بادشاہ کے ایک منہ چڑھے نوکر کو بلوایا اور اُسے کہا کہ تم جاؤ اور بادشاہ کو یہ خبر پہنچا آؤ۔ اگر کوئی اَور گیا تو وہ یقیناً مارا جائے گا۔ لیکن اگر تم گئے تو ممکن ہے بادشاہ تمہیں معاف کر دے کیونکہ تمہارا اُس کو لحاظ ہے۔ گویا جہاں تک موت کا تعلق ہے اس کا موقع تمہارے لیے بھی اُتنا ہی ہے جتنا ہمارے لیے۔ لیکن تمہارے ساتھ چونکہ بادشاہ کو محبت ہے اس لیے ممکن ہے کہ وہ تمہیں معاف کر دے۔ وہ تیار ہو گیا۔ آدمی ہوشیار تھا، جاتے ہی بادشاہ سے کہنے لگا حضور! گھوڑا بالکل آرام میں ہے۔ اسے کوئی تکلیف نہیں۔ وہ اطمینان سے لیٹا ہوا ہے۔ نہ وہ تڑپتا ہے نہ وہ دم ہلاتا ہے، نہ کان ہلاتا ہے اور نہ آواز نکالتا ہے، نہ حرکت کرتا ہے نہ آنکھیں کھولتا ہے بالکل خاموش لیٹا ہوا ہے۔ بادشاہ نے کہا تو یوں کہو کہ وہ مر گیا ہے۔ اس نے کہا حضور! میں نے یہ الفاظ نہیں کہے کہ وہ مر گیا ہے یہ حضور خود فرما رہے ہیں۔

تو جیسے اُس نوکر نے کہا تھا کہ گھوڑا بالکل آرام میں ہے، وہ خاموش لیٹا ہوا ہے۔ نہ کان ہلاتا ہے، نہ دُم ہلاتا ہے، نہ سانس لیتا ہے، نہ حرکت کرتا ہے، وہی کچھ تم کرتے ہو۔ کہتے ہو فلاں بڑا بزرگ اور نیک ہے، صرف چندہ نہیں دیتا، فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے صرف نماز نہیں پڑھتا، فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے، صرف جھوٹ بولتا ہے، فلاں بڑا بزرگ اور نیک احمدی ہے صرف خائن ہے۔ تم اپنی حماقت سے اُس کی بزرگی کا ڈھنڈورا

پیٹتے ہو حالانکہ روحانی طور پر وہ مُردہ ہوتا ہے۔ اگر وہ اِسی طرح سڑتا، جس طرح جسمانی مُردہ سڑا کرتا ہے تو سارا محلّہ اُس کی بدبو سے بھاگ اُٹھتا۔مگر روح کی سڑاند ایسی چیز ہے کہ فرشتوں کو تو وہ محسوس ہوتی ہے لیکن انسان اسے محسوس نہیں کرتے۔ اِس لیے جسم کی سڑاند سے تو وہ پریشان ہو جاتے ہیں لیکن روح کی سڑاند کے باوجود وہ اُسے بزرگ بھی کہتے جاتے ہیں، اُسے نیک بھی قرار دیتے چلے جاتے ہیں، اُسے مخلص بھی بتاتے جاتے ہیں۔ گویا تمہاری حُسنِ ظنّی اِتنی زیادہ ہوتی ہے یا تمہاری دین سے لاپرواہی اور استغناء اِتنا زیادہ ہے کہ ایک سڑی ہوئی لاش تمہارے سامنے پڑی ہوتی ہے اور تم اُسے زندہ کہتے ہو۔ اگر تم میں دین کی محبت کا ذرا بھی احساس ہوتا تو تم سمجھتے کہ یہ لوگ مر گئے ہیں اب ہمیں ان کو دفن کر دینا چاہیے۔ اور اگر ابھی وہ مرے نہیں صرف روحانی بیمار ہیں تو جس طرح کوئی جسمانی بیمار ہوتا ہے تو تم اُس کا علاج کرتے ہو اُسی طرح تمہارا فرض تھا کہ تم اُن کا علاج کرتے اور اُن کی درستی کی کوشش کرتے۔ انسان کا جسم چونکہ مُردہ ہو جاتا ہے اور سب لوگ اُس کو جانتے ہیں اِس لیے جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو لوگ اُس کا علاج کرتے ہیں اور وہ اُسے موت سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر انسانی جسم میں تعفّن نہ پیدا ہوتا اور اس میں سڑاند پیدا نہ ہوتی تو شاید لوگ اپنے ماں باپ کا بھی علاج نہ کرتے اور وہ سمجھتے کہ اگر یہ مر بھی گئے تو ہم انہیں کرسیوں پر بٹھا رکھیں گے اور ان کو دیکھتے رہیں گے۔لیکن محض اِس وجہ سے کہ انسانی جسم سڑ جاتا ہے، اس میں کیڑے پڑ جاتے ہیں خواہ کوئی کتنا بھی پیارا ہو مرنے کے بعد انسان چاہتا ہے کہ اسے جلدی دفن کر دے تا کہ اُس کی سڑاند اور بُو اُسے پریشان نہ کر دے۔مگر روحانی طور پر سڑنے کی دوسرے شخص کو بدبو نہیں آتی۔ اِس لیے ان کے مرنے کے باوجود تم کوشش کرتے جاتے ہو کہ انہیں زندہ قرار دو۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ جس طرح انسان جسمانی طور پر مرتا ہے اُسی طرح وہ روحانی طور پر بھی مرتا ہے۔ اگر وہ روحانی طور پر مرنے والے کی مختلف کیفیتیں ہم محسوس کریں تو ہم اُن کی موت سے بہت پہلے ان کے علاج میں مشغول ہو جائیں۔مگر ہم ان کا علاج نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مر جاتے ہیں۔ اور جب وہ مر جاتے ہیں تو سِل اور دِق کی طرح اُن کی بیماری ہمارے اندر بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

مگر سِل اور دِق میں تو جہاں کھانسی ہوئی، بخار ہوا لوگ ڈاکٹر کے پاس دوڑے چلے جاتے ہیں اور یہاں چونکہ تم اس کو زندہ اور تندرست سمجھتے ہو اس لیے تم بھی رفتہ رفتہ دین میں سُست ہو جاتے ہو اور اپنی بیماری کا فکر نہیں کرتے۔ کہتے ہو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مجھے احمدیت سے بڑا اخلاص ہے، صرف اتنی بات ہے کہ کبھی کبھی جھوٹ بول لیا کرتا ہوں۔ میں بہت ہی فدائی ہوں احمدیت کا اور میں اپنے آپ کو اخلاص اور محبت میں دوسروں سے کم نہیں سمجھتا، صرف اِتنی بات ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا۔ اس طرح تم بھی مر جاتے ہو اور پھر تمہارا ہمسایہ تم سے اثر قبول کرتا ہے اور وہ بھی مر جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ وہ مُردوں کی ایک جماعت ہو جاتی ہے جو زندوں کے لباس میں ہوتی ہے اور آخری نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ قومی جدوجہد کو ایسے لوگ بالکل ترک کر دیتے ہیں اور نیکیوں میں آگے قدم بڑھانے کا مادہ ان میں نہیں رہتا۔

ہماری جماعت کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ روحانی موت اور جسمانی موت یہ دونوں متوازی چیزیں ہیں۔ روح بھی مرتی ہے اور جسم بھی مرتا ہے۔ جب روح مرتی ہے تو خدا کی ناراضگی اور اس سے دُوری کی علامات ظاہر ہوتی ہیں اور جب جسم مرتا ہے تو سانس رُک جاتا ہے، آنکھیں بند ہو جاتی ہیں، کان سننا بند کر دیتے ہیں اور جسم کی حِس وحرکت باطل ہو جاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جسمانی موت سے روحانی موت زیادہ خطرناک ہوتی ہے کیونکہ خدائی ناراضگی اور فرشتوں کی لعنت یہ بڑا بھاری عذاب ہے۔ لیکن جسمانی موت میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ بسا اوقات جسمانی موت پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں چلو! تمہیں خدا اپنے انعامات دینے کے لیے بلا رہا ہے اور جنت کے دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں اور آسمانی وجود اس کے لیے دعائیں کرتے اور اسے سلام کہتے ہیں۔ پس ہمارے نوجوانوں کو چاہیے کہ جہاں وہ جسمانی موت سے اتنا گھبراتے اور پریشان ہوتے ہیں وہاں وہ روحانی موت سے بھی اُتنا ہی گھبرائیں اور اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

ابھی پرسوں کی بات ہے ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ یہاں جو احمدی فوجی افسر یا نیوی کے افسر ہیں وہ قطعی طور پر کوئی چندہ نہیں دیتے۔ مجھے یہ سن کر بڑا تعجب آیا کہ جب میں یہاں آتا ہوں تو وہ شوق سے میرے آگے آ جاتے ہیں اور میرے ساتھ ساتھ پھرتے ہیں

لیکن ان کی عملی حالت یہ ہے کہ وہ چندہ ہی نہیں دیتے۔ گویا ان کا ساتھ ساتھ پھرنا بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کسی مُردہ لاش کو کل3 لگا کر تھوڑی دیر کے لیے چلا کر دکھا دیا جائے۔ ہم انہیں چلتے پھرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں حالانکہ وہ مُردہ لاشیں ہیں۔ اور پھر ہماری جماعت کی بدنامی میں بھی بڑا حصہ انہی کا ہے۔

احرار ہمیشہ یہی شور مچاتے رہے اور تحقیقاتی عدالت کے سامنے بھی انہوں نے یہی کہا کہ احمدی فوج پر قابض ہیں۔ اور جو فوج میں احمدی ہیں اُن کی حالت یہ ہے کہ وہ جماعتی طور پر ہمارے لیے کوئی فائدہ بخش نہیں۔ ہمارے خلاف جتنی شورش ہوئی ہے اس میں بڑا حصہ دشمن کے اِس پروپیگنڈا کا ہے کہ فوج میں اور نیوی میں یہ لوگ دوسروں سے بہت آگے ہیں اور ان کی نیت خراب ہے۔ مگر نیوی والوں کی یہ حالت ہے کہ ان میں سے بہت کا احمدیت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صرف نام کے لحاظ سے وہ احمدی کہلاتے ہیں ورنہ عملی طور پر وہ کوئی احمدی نہیں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ نیوی میں سَو کے قریب احمدی ہیں جن میں سے صرف دو باقاعدہ چندہ دیتے ہیں۔ جب حالت یہ ہے تو نیوی میں ہمارا سَو آدمی کہاں ہوا؟ ہمارے تو صرف دو آدمی ہوئے۔ باقی صرف نام کے طور پر احمدی کہلاتے ہیں۔ اگر وہ احمدیت کو چھوڑ دیتے تو یقیناً ہمیں کوئی نقصان نہ ہوتا کیونکہ چندہ تو وہ اب بھی نہیں دیتے۔ پھر ہمیں نقصان کیا ہوتا؟ البتہ ہمیں یہ فائدہ ضرور ہو جاتا کہ وہ لوگ جو ہمارے خلاف تقریریں کیا کرتے ہیں کہ فوج میں اور پولیس میں اور نیوی میں ہر جگہ احمدیوں نے قبضہ کیا ہوا ہے اُن کا منہ بند ہو جاتا۔ اور بجائے اِس کے کہ وہ یہ کہتے کہ پچاسی فیصدی فوج پر احمدی قابض ہیں وہ یہ کہنے پر مجبور ہوتے کہ ایک لاکھ میں سے صرف دس یا بیس احمدی فوج میں ہیں تو ان کے احمدیت کے چھوڑ دینے سے یقیناً احمدیت کو بہت زیادہ فائدہ پہنچ جاتا اور دشمن یہ اعتراض نہ کر سکتا۔

پس اگر وہ چندہ نہیں دیتے تو انہیں کم از کم یہ طریق اختیار کرنا چاہیے کہ وہ جماعت کو بدنام نہ کریں اور احمدیت کو ترک کرنے کا اعلان کر دیں۔ یہ بھی اُن کی اللہ تعالیٰ کے حضور ایک رنگ کی خدمت ہوگی کہ انہوں نے چندہ نہیں دیا تو کم از کم جماعت کی عزت بچانے کے لیے انہوں نے اپنی روحانی موت کا آپ اعلان کر دیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں اس کی

ذمہ داری ایک حد تک باقی جماعت پر بھی ہے۔ ہر شخص جو خراب ہوتا ہے وہ دفعۃً نہیں ہوتا بلکہ آہستہ آہستہ ہوتا ہے اور جب کوئی خرابی کی طرف اپنا قدم بڑھانے لگتا ہے تو کیوں جماعت کے لوگ اُسے نہیں سمجھاتے؟ کیوں اُس کی منّت سماجت نہیں کرتے؟ کیوں اُن کی اصلاح کی کوشش نہیں کرتے؟ اُن کا فرض ہے کہ وہ اُسے سمجھائیں، اُسے نصیحت کریں، اُسے تحریص و ترغیب دلائیں، اُس کے دینی احساسات کو بیدار کرنے کی کوشش کریں۔ ہاں! کچھ عرصہ کے بعد جب دیکھیں کہ وہ اپنے اندر کوئی تغیر پیدا کرنے کے لیے تیار نہیں ہوا تو اُسے چھوڑ دیں اور سمجھ لیں کہ اب وہ روحانی لحاظ سے مر چکا ہے۔ جیسے پانی میں ڈوبنے والا جب ڈوب جاتا ہے تو پانی سے اگر ڈیڑھ دو گھنٹے کے اندراندر اسے نکال لیا جائے اور اسے مصنوعی تنفّس دلایا جائے تو طب کہتی ہے کہ کئی لوگ بچ جاتے ہیں اور ڈوبنے کے دس پندرہ منٹ کے اندراندر اگر اُسے نکال لیا جائے تو اکثر لوگ بچ جاتے ہیں۔ لیکن اگر چوبیس گھنٹے گزر جائیں یا دو تین دن گزر جائیں تو پھر اُسے زندہ کرنے کی ہر کوشش بیکار ہوتی ہے۔ اِسی طرح اگر تمہارا کوئی بھائی کمزور ہے تو تم اُسے سمجھانے کی کوشش کرو، اُس کے لیے دعائیں کرو، اُسے وعظ اور نصیحت کرو۔ لیکن جس طرح وہ شخص احمق سمجھا جائے گا جس کے بھائی کو ڈوبے ہوئے دو تین دن گزر چکے ہیں اور وہ اُس کے ہاتھ ہلا رہا ہے اور اُسے مصنوعی تنفّس دلا رہا ہے اِس طرح وہ شخص بھی احمق سمجھا جائے گا جو سالہا سال تک سمجھاتا چلا جاتا ہے اور پھر یقین رکھتا ہے کہ ابھی وہ زندہ ہے۔ جس طرح ڈوبنے کے دس پندرہ منٹ یا ڈیڑھ دو گھنٹہ کے اندر اندر بچانے کی کوشش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے طب کہتی ہے کہ دو گھنٹے تک بعض ڈوبنے والے زندہ ہو سکتے ہیں۔ اِسی طرح طب یہ بھی کہتی ہے کہ اگر چوبیس گھنٹے کے بعد کوئی شخص ڈوبنے والے کو زندہ کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنا وقت ضائع کرتا ہے کیونکہ اتنے عرصہ میں اُس کی حقیقی موت واقع ہو چکی ہوتی ہے۔ اِسی طرح اگر کوئی کمزوری دکھائے تو سب دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اُس کے پاس جائیں اور اُسے سمجھائیں لیکن چھ مہینے یا سال کے بعد بھی اگر وہ اصلاح کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اُسے مُردہ قرار دے دیں۔ میں نے دیکھا ہے بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ دس سال ہو گئے فلاں کی ایسی حالت ہے

اور ہم کوشش کر رہے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کر لے حالانکہ یہ بیوقوفی کی بات ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ دس سال فلاں کے ڈوبنے پر گزر چکے ہیں مگر میں اب بھی اسے مصنوعی تنفّس دلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ایسے آدمی کو تم مُردہ سمجھو اور اس سے اپنے تعلقات منقطع کر لو۔

بہرحال نیوی میں اگر ایک احمدی باقاعدہ چندہ دینے والا ہے تو ایک کو احمدی سمجھو۔ اگر دو چندہ دینے والے ہیں تو دو کو احمدی سمجھو باقیوں کو کہو کہ تم ہمارے پاکستانی بھائی ہو، ہمارے ملکی بھائی ہو لیکن احمدیت والا بھائی چارا ہمارا تمہارے ساتھ کوئی نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اٰخِرُ الدَّوَاءِ الْکَیُّ 4 آخری علاج داغ دینا ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اِدھر نزلہ ہوا، کھانسی ہوئی اور اُدھر داغ دے دیا۔ ہاں! جب سارے علاج ختم ہو جاتے ہیں تو پھر پلستر لگانا یا داغ دینا پڑتا ہے یا فصدیں کھولنی پڑتی ہیں۔ بہرحال یہ سب آخری علاج ہیں۔ اس سے پہلے پہلے ہمارا فرض ہے کہ ہم اصلاح کے لیے اپنی تمام کوششیں صَرف کر دیں۔ اگر اس کے بعد بھی اِن کی اصلاح نہ ہو تو پھر ہمارا اور ان کا تعلق ختم ہو جاتا ہے۔ بیشک اِس کے نتیجہ میں کچھ لوگ ہم سے الگ ہو جائیں گے لیکن اس صورت میں بھی ہمیں فائدہ ہی پہنچے گا کیونکہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ لوگ مُردوں کو اپنے ساتھ نہیں رکھتے۔ یہ زندوں کی جماعت ہے مُردوں کی جماعت نہیں۔

کراچی کی جماعت کو اِس بارہ میں بیشک مشکلات ہیں کیونکہ یہاں ہر گروپ کے لوگ جماعت کا حصہ ہیں جن کی ذمہ دار عہدیداروں کو نگرانی کرنی پڑتی ہے۔ اور پھر یہاں ماحول اس قسم کا ہے کہ مختلف قسم کی سوسائٹیوں میں شامل ہونے کی وجہ سے اخراجات زیادہ ہو جاتے ہیں اور جب اخراجات زیادہ ہو جائیں تو کمزور آدمی کے لیے چندہ دینا مشکل ہو جاتا ہے اور وہ مختلف قسم کے بہانے بنانے لگ جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہم اپنا سارا روپیہ اپنے باپ کو بھیج دیتے ہیں اور جب باپ سے پوچھا جائے تو وہ کہتا ہے کہ اس نے تو مجھے ساری عمر میں کبھی ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔ کوئی کہہ دیتا ہے کہ میں لوکل سیکرٹری کو چندہ دے دیتا ہوں۔ لوکل سیکرٹری انکار کرے تو کہہ دیتا ہے کہ میں شہر کے احمدیوں کو دے دیتا ہوں اور جب دونوں طرف سے پکڑا جاتا ہے تو کہتا ہے مجھے بڑی مشکلات ہیں گھر میں ایسی بیماری ہے کہ اس کے

اخراجات ہی پورے ہونے میں نہیں آتے۔ جب کچھ عرصہ کے بعد پوچھا جائے کہ بتایئے! بیماری دور ہوئی ہے یا نہیں؟ تو کہہ دیتا ہے کہ اب تو فلاں اخراجات آ پڑے ہیں۔ جب کچھ اَور انتظار کے بعد پھر چندہ مانگا جاتا ہے تو وہ گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے کہ انہیں تو اَور کوئی کام ہی نہیں، ہر وقت چندہ ہی چندہ مانگتے رہتے ہیں۔ اِس طرح آہستہ آہستہ وہ روحانی لحاظ سے بالکل مُردہ ہو جاتا ہے۔ بہرحال دوسری جماعتوں اور یہاں کی جماعت میں فرق ہے۔ باہر اگر عہدیدار سُست نہ ہوں تو عموماً جماعت کے چندوں میں کمی نہیں آتی کیونکہ سب ایک ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں مختلف گروہوں کے لوگ پائے جاتے ہیں اور ان سب پر جماعت کو کنٹرول کرنا پڑتا ہے۔ پس اِس جگہ کی مشکلات اور باہر کی مشکلات میں فرق ہے۔ لیکن جہاں اس جگہ کی مشکلات زیادہ ہیں وہاں مختلف قسم کے لوگوں کی وجہ سے کئی قسم کے تجربات حاصل کر کے مواقع بھی یہاں کی جماعت کو زیادہ حاصل ہیں۔ ہمارے سامنے تو جو مختلف واقعات آتے ہیں اُن سے ہم ایک نتیجہ نکال لیتے ہیں لیکن ان کے سامنے عملی مشکلات پیش آتی ہیں۔ پس اِس بارہ میں جوان کا تجربہ ہے اُس کی نوعیت بالکل اَور رنگ کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہر شخص کی بیماری اور اُس کے نقص کو مدنظر رکھتے ہوئے علاج نہ کیا جائے اُس وقت تک پوری کامیابی نہیں ہوسکتی۔ سب لوگوں پر مجموعی نظر ڈالنے سے ہمیں یہ تو معلوم ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں میں نقائص پائے جاتے ہیں لیکن قومی اصلاح کی جدوجہد جو تمام افراد کی اصلاح کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اُس وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب ہر شخص کے حالات کا الگ الگ جائزہ لیا جائے اور اس کے مطابق اپنی کوششوں کو جاری رکھا جائے۔

میں چونکہ زمیندار خاندان میں سے ہوں اس لیے مجھے زمینداری اور باغ وغیرہ لگانے کا خاص شوق ہے۔ میں نے قادیان میں ایک دفعہ اپنے مالی کو بلایا اور اُسے کہا تم ایک چکر روزانہ باغ میں لگاتے ہو اور اُسے کافی سمجھتے ہو۔ میری ہدایت یہ ہے کہ آئندہ جب تم چکر لگاؤ تو بیمار درختوں کے ساتھ ایک لال دھجی[5] باندھ دیا کرو۔ دوسرے دن ایک کی بجائے دو چکر لگاؤ۔ ایک دن اُن درختوں کے لیے جن پر لال دھجی بندھی ہو اور دوسرے اُن درختوں

کے لیے جن پر لال دھجی نہ ہو۔ جب لال دھجی والے درخت اچھے ہو جائیں تو اُن کی دھجیاں کھولتے جاؤ اِس طرح تمہیں پتا لگتا رہے گا کہ کون کون سے پودے بیمار ہیں جن کی تمہیں نگہداشت کرنی چاہیے۔ اگر تم یونہی چکر لگاتے رہو گے تو بیمار پودوں کی طرف تم کوئی توجہ نہیں کرو گے اور وہ رفتہ رفتہ مر جائیں گے۔

اِسی طرح جماعت کے جو سُست افراد ہیں اُن کا ایک مکمل ریکارڈ جنرل سیکرٹری کے پاس ہونا چاہیے اور اُسے معلوم ہونا چاہیے کہ فلاں شخص میں جھوٹ بولنے کا مرض ہے، فلاں میں نماز کی سُستی کی عادت پائی جاتی ہے، فلاں چندہ میں سُست ہے، فلاں میں بدکلامی کی عادت ہے، فلاں میں مہمان نوازی کی عادت نہیں۔ اور پھر کوشش کرو کہ اُن کی یہ بیماریاں دور ہو جائیں۔ مولوی عبدالمالک صاحب یہاں سلسلہ کے مبلغ ہیں مگر یہاں کی جماعت اب اِتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ ان کے لیے کافی نہیں ہو سکتے۔ میں نے جماعت والوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ مرکز سے اَور مبلغ منگوانے کی کوشش کریں۔ اگر وہ آ جائیں تو ان کی مدد سے ایسے لوگوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنائی جائیں، قرآن کریم کی آیات سے ان کو وعظ کیا جائے اور ان کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ اِس کے علاوہ تمہارا اپنا نمونہ ایسا ہونا چاہیے کہ چاہے تم زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہو تمہارے عمل سے لوگوں کو خود بخود تبلیغ ہوتی چلی جائے۔ اگر ایک احمدی رشوت نہیں لیتا، ظلم نہیں کرتا، لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آتا ہے، کام میں دیانتدار ہے، محنت کا عادی ہے، قربانی اور ایثار سے کام لیتا ہے تو احراری ٹائپ کا کوئی آدمی خواہ اس کی مخالفت کرے یہ لازمی بات ہے کہ جب ترقی کا وقت آئے گا تو افسر اُس کی سفارش کریں گے اور کہیں گے کہ یہ بڑا محنتی اور بڑا ہوشیار ہے۔ اور جب افسر اُس کی سفارش کریں گے تو مخالفین کا پروپیگنڈا خود بخود باطل ہو جائے گا اور لوگ سمجھیں گے کہ احمدیوں کو بِلاوجہ بدنام کیا جاتا ہے ورنہ وہ بڑے محنتی اور دیانتدار ہیں۔ پس اپنے کیریکٹر سے اپنی فوقیت ثابت کرو اور لوگوں کو احمدیت کی طرف مائل کرو۔

مجھے ایک احمدی کا واقعہ معلوم ہے جو حضرت خلیفة المسیح الاول سنایا کرتے تھے۔ آپ فرماتے تھے کہ کوئی احمدی ایسا ہی تھا جس پر جھوٹے الزام لگا لگا کے اُسے سزا دینے کی کوشش کی

جاتی تھی۔ ایک دفعہ پولیس اور فوج کے کچھ آدمیوں میں جھگڑا ہو گیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو مارا پیٹا۔ وہ انہیں ہٹاتا تھا مگر لوگ رُکتے نہیں تھے۔ بعد میں جب تحقیقات ہوئی تو فوجی سپاہیوں نے مار پیٹ سے انکار کیا۔ پولیس والوں نے کہا کہ ایک اَور شخص بھی ان میں تھا جو ان کو لڑائی سے باز رکھتا تھا۔ وہ اِس وقت پیش نہیں ہے۔ آخر معلوم ہوا کہ لڑائی کے بعد اس پر کوئی الزام لگا کر فوجی حوالات میں اُسے دے دیا گیا۔ جب اُسے وہاں سے نکالا گیا تو اُس نے سچی بات بتا دی۔ جب سپرنٹنڈنٹ پولیس کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو اُس نے فوجی افسر کو لکھا کہ آپ کو اِس کی ضرورت نہیں اسے ڈسچارج کر کے میرے پاس بھجوا دیں۔ چنانچہ وہ فوج سے ڈسچارج کر دیا گیا اور پولیس میں اُسے ملازمت مل گئی۔

تو اعلیٰ کیریکٹر بہرحال دوسروں پر اثر کرتا ہے۔ پس ہمیں اپنے کیریکٹر کو بلند رکھنے اور اپنے اخلاق کو اعلیٰ بنانے کی کوشش کرنی چاہیے اور ایسا نمونہ ان کے سامنے پیش کرنا چاہیے کہ خودبخود ان کے دل ہماری طرف مائل ہوتے چلے جائیں۔ ابھی کل ہی ایک دوست نے سنایا کہ ایک پاکستانی رئیس مصر سے آیا ہے۔ اُس نے سنایا کہ ہمیں مصر میں کچھ مصری ملے اور محبت سے سلام کیا۔ پھر کہا کہ آپ لوگوں نے امریکہ سے جو فوجی مدد لی ہے اس کو ہم اچھی نظر سے نہیں دیکھتے کیونکہ امریکہ ہمارا دشمن ہے۔ لیکن ایک چیز ہے جس کی وجہ سے آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہیں اور وہ یہ ہے کہ آپ نے ساری دنیا میں مبلغ بھیجے ہوئے ہیں۔ گویا ہمارے مبلغ بھیجنے کا اُن کی طبیعتوں پر اتنا اثر ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم اِس کارنامہ کی وجہ سے پاکستان کی عزت کرنے پر مجبور ہیں۔ اُن کو یہ پتا نہیں کہ پاکستان میں ہمارے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم عیسائیوں وغیرہ کو تبلیغ کرتے ہیں۔ گویا یہاں ہمارے مشنوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کا موجب قرار دیا جاتا ہے اور باہر پاکستان کی اس لیے عزت کی جاتی ہے کہ یہاں سے تمام دنیا میں مبلغ بھیجے جاتے ہیں۔

تو اپنے نیک نمونہ کے ساتھ لوگوں کو تبلیغ کرو اور ان کے دلوں میں احمدیت کی محبت بٹھاؤ۔ ملازم لوگ بیشک اپنے منہ سے ایک لفظ بھی احمدیت کی تائید میں نہ نکالیں

لیکن دیانتداری تو ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ کام کو محنت سے کرنا اور عمدگی سے سرانجام دینا تو ان کے اپنے اختیار میں ہے۔ اگر وہ دیانتداری اختیار کریں، محنت اور ہوشیاری کے ساتھ کام کریں تو ان کی احمدیت کبھی چُھپ نہیں سکتی۔ فرض کرو ایک شخص یہ نہیں کہتا کہ میں احمدی ہوں لیکن جمعہ کا دن آتا ہے تو وہ نماز کے لیے چل پڑتا ہے۔ لوگ اُس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کہاں جمعہ پڑھیں گے؟ اور وہ یہ کہتا ہے احمدیہ ہال میں۔ اِس پر خودبخود لوگ اس سے کہیں گے کہ اچھا! آپ احمدی ہیں۔ اِسی طرح خواہ وہ زبان سے نہ کہے کہ میں احمدی ہوں لیکن جب وہ جلسہ سالانہ پر جائے گا تو لوگوں کو خودبخود پتا لگ جائے گا کہ یہ احمدی ہے۔ اِس طرح اس کا احمدی ہونا کبھی چُھپ نہیں سکتا۔ پس ملازم پیشہ احباب کو چاہیے کہ وہ اپنا نمونہ ایسا اعلیٰ بنائیں کہ لوگ دیکھتے ہی محسوس کرنے لگیں کہ ان لوگوں میں اور دوسرے لوگوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً اگر وہ پاکستان کے لیے دوسروں سے زیادہ غیرت رکھتا ہے، مسلمانوں کی دوسروں سے زیادہ خیرخواہی کرتا ہے، ان کی تکالیف میں دوسروں سے زیادہ ہمدردی کرتا ہے تو ہر شخص دوسرے سے خودبخود پوچھے گا کہ یہ کونسا پاکستانی ہے جو پاکستان کی حفاظت کے لیے دوسروں سے زیادہ قربانی کرنے کے لیے تیار ہے؟ اور جب لوگ اسے بتائیں گے کہ یہ احمدی ہے تو بغیر اِس کے کہ وہ ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے خودبخود تبلیغ ہوتی چلی جائے گی اور لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہوں گے کہ جب احمدی اِس قسم کے نیک اور خیرخواہ اور ملک و ملت کے ہمدرد اور جاں نثار ہوتے ہیں تو ہم کیوں نہ احمدی بن جائیں؟ اِسی طرح اگر کوئی شخص بیمار ہو گیا ہے اور یہ اُس کے گھر پر جاتا اور اُس کی خدمت کرتا اور اُس کی تیمارداری میں حصہ لیتا ہے تو دوسرے کے دل میں خودبخود اس کی محبت پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ اور جب کسی موقع پر اس کے اپنے بھائی احمدیوں پر اعتراض کریں گے تو وہ کہے گا کہ تم غلط کہتے ہو۔ میں بیمار ہوا تھا تو تم نے تو مجھے پوچھا بھی نہیں۔ مگر فلاں احمدی میری رات دن خدمت کرتا رہا۔ پس میں کس طرح سمجھ لوں کہ احمدی بُرے ہوتے ہیں۔ پس تبلیغ کا راستہ تمہارے لیے بند نہیں۔ تم گورنمنٹ کے حکم کے ماتحت اور اخلاقی ذمہ داری کے ماتحت زبان سے تبلیغ نہ کرو مگر کیا گورنمنٹ یا اَور کوئی شخص تم کو یہ بھی حکم دے گا کہ تم دوسروں سے زیادہ

دیانتدار نہ بنو؟ دوسروں سے زیادہ حُبُّ الوطنی نہ دکھاؤ؟ دوسروں سے زیادہ بنی نوع انسان کے خدمت گزار نہ بنو؟ دوسروں سے زیادہ راستباز نہ بنو؟ اور یہ بھی ایک تبلیغ ہے جس کی قانون اجازت ہی نہیں دیتا بلکہ وہ ہر پاکستانی سے اِس کا مطالبہ کرتا ہے۔

اور جو لوگ ملازم پیشہ نہیں اُن کے لیے اس میں کیا مشکل ہے کہ وہ اپنے اپنے رشتہ داروں اور گہرے دوستوں کو سمجھائیں اور جو اعتراض علماء نے ہم پر کیے ہیں اُن کا جواب دیں۔ کیا رشتہ داروں کی غلط فہمیاں دور کرنے سے کوئی روک سکتا ہے؟ اگر غلط فہمیاں دور کرنے سے کوئی روکتا ہے تو اُسے پہلے غلط فہمی پیدا کرنے والے کو روکنا چاہیے۔ اب تو وہ زمانہ آ گیا ہے کہ خود غیر احمدیوں نے ہمارے خلاف اِس قدر مواد جمع کر دیا ہے کہ ہم اگر رات دن اُن کے اعتراضات کو دور کرتے رہیں تو یہی ایک بڑا کام ہے۔ اگر تم اُن کے اعتراضات کے جوابات دو اور انہیں بتاؤ کہ احمدیت کیا کہتی ہے تو یقیناً ایک دن ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ اور جب انہیں نظر آئے گا کہ تم سچے ہو اور تمہارے دشمن تم پر جھوٹے الزام لگاتے ہیں تو لازماً تمہارے دوستوں کی تعداد بڑھتی جائے گی اور تمہارے دشمنوں کی تعداد گھٹتی جائے گی۔ اور اگر لوگ سمجھ لیں گے کہ تم مسلمانوں کے خیرخواہ ہو اور ہمیشہ ان کی ترقی کی کوشش کرتے ہو تو وہ آپ ہی آپ فیصلہ کر لیں گے کہ تمہارے مخالف غلطی پر ہیں۔

پس اپنے رویہ کو بدلو اور جماعت کے کمزور حصہ کی اصلاح کرنے کی کوشش کرو اور ہر احمدی کے کیریکٹر کا جائزہ لے کر اس کے مرض کو دور کرنے کی طرف توجہ کرو۔ اگر ایک شخص کو مرض ہے نماز نہ پڑھنے کا اور تم اُس کو چندے کا وعظ کرتے ہو یا ایک شخص کو چندہ نہ دینے کا مرض ہے اور تم اُس کو نماز کا وعظ کرتے ہو تو یہ ایسا ہی ہو گا جیسے کھانسی والے کو سر درد کی دوا دے دی جائے اور سر درد والے کو کھانسی کی دوا دے دی جائے یا ہیضہ والے کو نقرس کی دوا دے دی جائے۔ جس طرح یہ بیوقوفی ہے اِسی طرح وہ بھی بیوقوفی ہے۔ پس علاج ہمیشہ مرض کے مطابق کرو اور جماعت کے کمزور حصہ کو مضبوط بنانے اور اُس کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرو"۔ (الفضل 6 جنوری 1955ء)

1 : امیدوبیم: کامیابی اور ناکامی کی درمیانی حالت۔ دبدھا، اطمینان و خوف (اردو لغت تاریخی اصول پر جلد اول صفحہ 863۔ کراچی 1977ء)

2 :مَڈّھل:ایک اناج جس کے دانے باریک ہوتے ہیں (پنجابی اردو لغت مرتبہ تنویر بخاری۔صفحہ 1401۔اردو سائنس بورڈ لاہور)

3 : گل :مشین، مشینری(اردو لغت تاریخی اصول پر جلد15 صفحہ 43ء کراچی جون1993ء)

4 : فتح الباری امام ابن حجر عسقلانی۔ جزء10 صفحہ 138 کتاب الطب باب الشفاء فی ثلاث مطبوعہ لاہور 1981ء میں'' کانت العرب تقول فی امثالھا آخر الدّواء الکی ''کے الفاظ ہیں۔

5 : دھجّی : کپڑے یا کاغذ کی کترن، پُرزہ، ٹکڑا، چیتھڑا(فیروز اللغات اردو جامع فیروز سنز لاہور)